فسطائیت اور اس کی ستم رانیاں

(عبد الحمید)

(۲)

فاشزم، جیساکہ اوپر ذکر کیا گیا ہے ریاست اور قومیت کے وجود کو ہی اصل قرار دے کر سارے انسانوں کو انہی کی توسیع و استحکام کے لیے استعمال کرنے کا داعیہ رکھتا ہے۔ اُس کا دعویٰ یہ ہے کہ زندگی کی تمام قدروں کی تخلیق و تکوین صرف ریاست ہی کے توسط سے عمل میں آتی ہے۔ اسی "رب علیم" کی غیر مشروط اطاعت سے زندگی میں استواری پیدا ہوتی ہے۔ یہ وہ "ذات" ہے جو زندگی کے تنظم و ربط کا مرکزی نقطہ ہے۔ اسی نقطہ کے گرد انسانی شخصیت اپنا استحکام و تحفظ تلاش کرتی ہے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ فاشزم کن کن ذرائع کو استعمال میں لا کر ان مقاصد کو حل کرتا ہے۔

اگر اس تحریک کے مزاج کا ایک سرسری سا جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوگا کہ اس میں سارا زور انسانی جذبات کو بھڑکانے پر صرف کیا جاتا ہے۔ اس کے سربراہ اور کارپرداز عوام پر کسی عقلی نصب العین اور علمی دلائل کے زور سے اثر انداز ہونے کے بجائے اس کا اہتمام کرتے ہیں کہ لوگوں کے جذبات کو زیادہ سے زیادہ برانگیختہ کیا جائے۔ ریاست کا پورا انتظام اور اجتماعی زندگی کے سارے کارخانے انہی کی قوت سے چلتے ہیں۔ عقلمند اور معتدل مزاج انسانوں کی یہاں کوئی ضرورت محسوس نہیں کی جاتی، دانشمند مدبرین اور دماغی توازن قائم رکھنے والے کارکن اس میں کسی طرح کھپ نہیں سکتے۔ یہاں مقبولیت اُن اشخاص کو حاصل ہوتی ہے جنہیں عقل سے بُعد اور جذبات سے محبت ہو، جو قوم کو سستے نعروں کی رَو میں بدمست کر کے اسے دشمن سے لڑا دیں، جو اپنے طرزِ عمل کی غلطی کو کسی پر واضح نہ ہونے دیں۔ الغرض جو ہوش سے زیادہ جوش سے کام لینے کے عادی ہوں۔ پروفیسر MELVIN RADER نے اپنی تصنیف NO COMPROMISE میں ایک باب عقلیت سے فرار (THE FLIGHT FROM REASON)

کے نام سے لکھا ہے۔ اس میں اُس نے بڑی تفصیل کے ساتھ اس بات کا تذکرہ کیا ہے کہ کس طرح فسطائی فلسفہ لوگوں کو ٹھوس حقائق سے ہٹا کر انہیں ہوائی قلعوں کے اندر مقید کر دیتا ہے۔ وہ لوگوں کو ایسے طلسم میں گرفتار کرتا ہے جس کے زیرِ اثر وہ آنکھوں کے باوجود اندھے ہوتے ہیں، کانوں کے باوجود کچھ سننے نہیں پاتے اور دماغ کی موجودگی میں بھی عقل و خرد سے یکسر عاری ہو جاتے ہیں۔ وہ اپنی زندگی کا مقصد صرف اسی قدر سمجھتے ہیں کہ بالکل آنکھیں بند کر کے حکمراں گروہ کے اشاروں پر چلتے رہیں۔ فاضل مصنف JAMES DRENNAN کے حوالہ سے ایک عبارت نقل کرتا ہے:۔

"فاشزم ہی اصل قیامت ہے۔ یہ احساسات کا انقلاب ہے۔ یہ جدید دنیا کے خلاف انسان کا غدر ہے۔ فسطائیت کی غالبًا اسی خصوصیت کا نتیجہ ہے کہ یہ تحریک بغیر کسی نظریہ، اور واضح پروگرام کے اٹلی اور جرمنی میں سرعت کے ساتھ پھیل گئی"

اسی طرح مسولینی بڑے فخر کے ساتھ اس حقیقت کا یوں اعتراف کرتا ہے:۔

"وہاں بڑی ہی گرما گرم بحثیں ہوئیں، لیکن آخر کونسی چیز زیادہ اہم اور مقدس تھی ــــ صرف یہ کہ انسان موت کے گھاٹ اتار دیئے گئے۔ وہ مرنا جانتے تھے۔ ہمارے پاس نظریہ اور فکر کی کمی ہے، مگر اس کی جگہ ہم ایک اور موثر چیز لائے ہیں، وہ ہے اعتقاد۔"

مسولینی کا سرکاری سوانح گار MARGHERITA اپنے ہیرو کی ذہنی کیفیات کا تجزیہ کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ یہ عظیم شخصیت صرف جذبات کے بل بوتے پر کام کرنا جانتی تھی۔ کوئی عقلی دلیل، کوئی علمی مشورہ اُسے قبول نہ ہوتا۔ وہ انہی لوگوں کو پسند کرتا جو اس کے مُنہ سے نکلی ہوئی ہر بات کو بلا تامل سنتے اور پھر بغیر کسی پس و پیش کے اطاعت کرتے۔ وہ جن چیزوں کو حق سمجھتا لوگ بھی انہیں اُسی طرح مانتے۔ غرضیکہ دنیا کی ساری حقیقتوں کو اس کی خواہشات کے مطابق ڈھلنے ہی میں اپنی سب سے بڑی سعادت خیال کرتے۔ یہ شخص بھی اپنے فکر و شعور کی قوتوں سے زیادہ کام لینا پسند نہ کرتا، بلکہ محض اپنے جبلی داعیات کی رہنمائی میں اپنا لائحہ عمل تیار کرتا ہے۔ چنانچہ وہ لکھتا ہے:۔

"میرا خون مجھے بتاتا ہے، مجھے اپنے خون کی آواز کو سننا چاہیے" یہ ہیں وہ نعرے جن سے یہ

سیاست دان اپنے مسائل حل کرتا۔ وہ کہتا کہ میں جانوروں کی طرح ہوں۔ جب کوئی واقعہ معرض وجود میں آنے والا ہوتو میں اُسے محسوس کرتا ہوں۔ مجھے میری جبلت آگاہ کرتی ہے اور میں اسی کی پیروی کرنے پر اپنے آپ کو مجبور پاتا ہوں۔

ہم نے اپنا پیکرِ خیال تخلیق کرلیا ہے اور یہ ہمارا اعتقاد اور جذبہ ہے۔ یہ ضروری نہیں کہ وہ حقیقت بھی ہو۔ اس کی اصلیت صرف اسی قدر ہے کہ یہ ہمیں سرگرم عمل کرتا ہے، اور ہم میں ہمت واستقلال پیدا کرتا ہے!

غالباً یہ جذبات کی اسی حکمرانی کا اعجاز ہے کہ اس تحریک کی نشو ونما ہمیشہ غیر معقول، مگر بڑے ہی نمائشی اور جذباتی نعروں کی فضا میں ہوئی ہے۔ قوم میں نسلی تفوق کے جذبہ کو پاگل پن کی حد تک اُبھارنا، پھر قومی و نسلی عظمت کے نام پر لوگوں کو ہر وقت دوسروں کے خلاف صف آرا کرتے رہنا اسی جذبات پرستی کا شاخسانہ ہیں۔ الفریڈ روزن برگ ALFRED ROSENBERG نازی تصورِ حیات کے سرکاری ترجمان نے اسی کی وضاحت میں لکھا ہے :۔

"ہمارا بنیادی تصور یہ ہے کہ ہماری قوم عظیم ترین ہے، اور اسی کو منوانے کے لیے ہم پوری طرح جدوجہد کر رہے ہیں۔"

"ہمارا اس بات پر ایمان ہے کہ اس کائنات کو تین مختلف ذرائع سے سمجھا جا سکتا ہے۔ احساس کی مدد سے یا ارادہ اور عقل کے ذریعے . . . . ان سب کو ایک ہی عقیدہ جنم دیتا ہے اور وہ ہے نسلی تفوق۔"

نازی ادب میں "خون" کے استعارہ کو جس کثرت سے دہرایا گیا ہے وہ نازی فلسفۂ حیات اور اس کے مضمرات کی نوعیت سمجھنے کے لیے بالکل کافی ہے۔ خون، جنگ و جدال، قتل و غارت، تباہی و بربادی کا نشان ہے۔ اس کی حیثیت فسطائی طرزِ فکر میں وہی ہے جو مذہبی ادب میں "روح" کی ہوتی ہے۔ نازی مذہب میں "خون" ایک اساسی اور بنیادی قدر کے طور پر شامل ہے۔ اس پر ایمان رکھنے والوں کا عقیدہ ہے کہ تصورات کو صرف حیاتیاتی عوامل ہی جنم دیتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ فسطائی پروگرام

میں سب سے زیادہ اہمیت جنگ کو حاصل ہے۔ ہٹلر نے اپنی کتاب "میری جدوجہد" (MYSTRUGGLE) میں اس حقیقت کا مندرجۂ ذیل الفاظ میں اعتراف کیا ہے :-

"کوئی اتحاد جس میں جنگ کی نیت شامل نہ ہو، وہ بالکل بیکار اور فضول ہے۔"

۱۹۱۴ء میں جب مسولینی نے اپنا سب سے پہلا سرکاری ترجمان (POPULO D'ITALIA) جاری کیا تو اس میں جنگ کی بے حد مدح و ستائش کی گئی۔ اس سلسلہ میں یہاں چند اقتباسات نقل کیے جاتے ہیں۔ ان کو دیکھ کر اس امر کا بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ فاشزم کے حامیوں کے نزدیک جنگ کتنی اہم اور ضروری ہے اور اس کے شعلے بھڑکانے کے لیے کتنے اشتیاق کا اظہار کیا جاتا ہے مسولینی اس اخبار میں لکھتا ہے :-

"اے جنگ خوش آمدید! کیا مجھے یہ نعرہ بلند کرنے کی اجازت ہے۔ تین بار مرحبا اے اٹلی کی جنگ! تو دنیا کی ہر شے سے زیادہ عزیز اور حسین ہے۔ اور بھلا ہو عام جنگ کا . . . . !" (سنہ ۱۹۱۴ء)

"امن ایک فضول سی چیز ہے" (سنہ ۱۹۲۱ء)

"میں اطالوی قوم کو مستقل جنگی حالت میں تصور کرتا ہوں۔ میں نے پہلے بھی اس امر کا اظہار کیا ہے اور پھر اس بات کو دہراتا ہوں کہ آگے پانچ یا دس سال ہمارے لیے فیصلہ کن ہیں۔" (سنہ ۱۹۲۶ء)

"ہم میں یہ صلاحیت ہونی چاہیے کہ پچاس لاکھ افراد کو چشم زدن میں مسلح کر کے جنگ کی آگ میں جھونک سکیں۔ ہمیں اپنی بحری اور ہوائی طاقت کو زیادہ سے زیادہ مضبوط بنانا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ ہماری یہ قوت اس قدر زیادہ ہو کہ جنگی گاڑیوں کی آوازیں اس سرزمین کی دوسری ساری آوازوں کو دبا دیں، اور جہازوں کے پر سورج کو چھپا لیں۔"

یہ اسی طرزِ فکر کا نتیجہ تھا کہ اٹلی اور جرمنی کی سرزمین شعلہ جوالہ بن گئی اور اس پر آباد ہونے والے آدم زاد بھیڑیوں کی طرح کمزوروں پر حملہ آور ہوئے۔ ان کی "قوت پرستی" اپنی مدافعت کے لیے نہ تھی بلکہ اُس کا مقصد یہ تھا کہ اپنی قوم کے لیے دنیا کی "شکارگاہوں" سے زیادہ سے زیادہ شکار حاصل کرنے کا سامان کیا جائے۔ اس غرض کے لیے وہ نہ صرف دنیا میں پھیل جانا چاہتے تھے، بلکہ اُن کے

پیشِ نظر دنیا کے سارے افراد کو غلام بنانا بھی تھا۔ جارحانہ وطنیت، یا امپیریلزم اسی احساس کی کرشمہ سازی ہے۔ جن لوگوں نے اس مذہب کا "کلمہ" پڑھا ہے وہ اسے اپنا پیدائشی حق سمجھتے ہیں کہ دنیا کی ساری اقوام پر حکمرانی اور فرمانروائی کریں۔ دنیا اور اس کے سارے ذرائع کو اپنے مقاصد کے لیے استعمال کریں، اور ملوکیت اور استعمار کے نشہ میں بندگانِ خدا کو بغیر کسی رکاوٹ کے ہلاک کرتے رہیں۔ مسولینی اس نظریہ کو زندگی کا ایک ابدی اور ناقابلِ تغیر اصول سمجھتا ہے۔ اپنے اس جارحانہ اقدام کے لیے بالعموم یہ جواز یہ پیش کی جاتی ہے کہ ہم تعداد میں زیادہ ہیں اور ہمارے ملک کی وسعت کم ہے۔ اس لیے ہم اس بات پر مجبور ہیں کہ اپنے پڑوسی ممالک کو زیر کر کے وہاں اپنی قوم کے افراد کو بسا دیں۔ مسولینی نے یہی دلیل پیش کرتے ہوئے کہا:-

"ہماری آبادی چار کروڑ افراد پر مشتمل ہے جو ایک چھوٹے سے ملک میں محصور ہے۔ ہمارے ملک اٹلی کے آس پاس کئی ایسے ممالک ہیں جن کی آبادی ہمارے مقابلے میں بہت کم ہے مگر ان کا رقبہ ہم سے دوگنا ہے۔ ظاہر ہے کہ اطالوی قوم کو پھیلنے کے سوا اب کوئی چارہ نہیں۔"

آپ مندرجہ بالا الفاظ پر غور کریں اور پھر اندازہ لگائیں کہ یہ بیان سرمایہ دارانہ جمہوریت کے علمبرداروں کے جارحانہ عزائم سے کہاں تک مختلف ہے۔ جس طرح سرمایہ دار ممالک "قومی دولت" میں اضافہ کرنے کے لیے اپنے ملک کے افراد کو روزگار بہم پہنچانے کے لیے اپنے کارخانوں کو خام مال مہیا کرتے کے لیے اور پھر پیدا شدہ مال سے بے کس اور کمزور قوموں کو "مالا مال" کرنے کی غرض سے نئی نئی منڈیوں کی تلاش پر اپنے آپ کو مجبور پاتے ہیں، اسی طرح فسطائیت کے حامی بھی اپنی ملکی حدود کو پھیلانے کا عزم رکھتے ہیں۔ انھیں ہمیشہ اس بات کی فکر رہتی ہے کہ نئے نئے علاقوں کو فتح کریں، اُن پر کمزوروں کے خون سے رنگے ہوئے پھریرے اُڑائیں۔ ان کے ذہن میں صرف ایک ہی جذبہ کارفرما ہوتا ہے کہ اپنے اقتدار کو ہر آن وسیع کرتے چلے جائیں، خواہ خدا کی بے بس مخلوق پر کچھ بھی گذر جائے۔

فاشزم کے دعاوی بلاشبہ بلند بانگ ہیں۔ جہاں تک الفاظ کا تعلق ہے وہ بیشک سرمایہ دارانہ نظام اور اُس کی اُن لعنتوں کو جو اس نے دنیا پر مسلط کر رکھی ہیں، ختم کرنے کا عزم رکھتا ہے مگر جب

ہم اس تحریک کو سطح سے نیچے دیکھتے ہیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ یہ محض ایک نقاب ہے جس کی اوٹ میں سرمایہ داروں کی طرح ہی اپنی ہوا و ہوس کی تسکین کا سامان بہم پہنچایا جاتا ہے۔ اس "نئے ازم" کے پرستاروں نے اپنے پیشرؤں کی طرح قدر حریت اور شرف انسانیت کو ایسا پامال کیا ہے کہ تاریخ انسانی اس کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے۔ یہ لوگ جنہیں جمہوریت کی چیرہ دستیوں کو مٹانے کا دعوے تھا جب خود انسانوں کے قائدین بنے تو اپنے اعمال سے خونریزی، سفاکی، اور زبردست آزاری کے دیوتا ثابت ہوئے۔ ان کے سامنے کوئی اخلاقی مقصد نہ تھا۔ بلکہ صرف "جوع الارض" کی تسکین تھی۔ اس مقصد کے حاصل کرنے کے لیے انہوں نے نہ صرف کمزوروں کی آزادیوں پر ڈاکہ ڈالا بلکہ ان کے اخلاق، مذہب، ان کی معاشرتی روایات، ان کے ادب اور ان کے اموال پر دست تطاول دراز کیا۔ پھر اپنے اس ظالمانہ اور ناجائز تسلط کو دیر تک قائم رکھنے کے لیے ان بدبختوں کو خوں ریزی اور برادر کشی میں مصروف کر دیا تاکہ وہ اقبال مرحوم کے الفاظ میں "غلامی کی افیون سے مدہوش و غافل رہیں اور استعماری جونک چپ چاپ ان کا لہو چاٹتی رہے۔"